''آخر بچے ہیں..... ناتجربہ کار..... بے سمجھ..... سفر چھوٹا ہو یا بڑا! ..... اس میں Hazards تو ہوتے ہیں''

وہ رات ہم نے الگ الگ سوچنے میں کاٹی..... پھر ہمیشہ کی طرح ناشتے کے وقت ایک حل مجھے سوجھ گیا۔

''خاں جی! اگر ریزی بھائی ان کے ساتھ چلے جائیں تو کیسا؟''

کچھ دیر تامل کے بعد خاں صاحب نے کہا..... ''ٹھیک ہے..... پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

بچوں کو اطلاع دے دی گئی۔ وہ خوشی سے ماموں کو منانے چلے گئے۔

ریزی میں ایک کھلنڈرے بچے کی روح بسی ہے۔ وہ مسالک کے پہاڑوں کا عاشق' بچوں کا بچپن سے بے تکلف دوست' فوراً ریڈی سٹیڈی (Ready Steady) ہو گیا اور جادوئی سفر کی تیاریاں جن میں ہم دونوں بھی شامل تھے' کر لی گئیں۔ ان کے دوستوں میں قاسم ادریس' وسیم قاضی' شاہد خاں لسٹ پر تھے۔ توصیف احمد خان کو فوراً اجازت مل گئی۔ جاوید تو ازل سے ایڈونچر زدہ ہے' تجربہ نیا ہو اس میں کیسی مشکلات کیوں نہ ہوں وہ اس سے باز نہیں آتا۔

ہمارے پڑوس میں ہی ادریس صاحب رہتے تھے۔ انہوں نے دوٹوک قاسم کو اجازت نہ دی۔ بچہ منہ لٹکا کر واپس آ گیا۔ اب انیق اور انیس اس کے پاپا کے پاس پہنچے۔ انہیں بتایا کہ سارا کام ماں باپ کی آشیرباد سے ہو رہا ہے۔ ماموں کی ہمراہی بھی ہو گئی ہے اور وہاں خیراگلی میں ہمارا اپنا تین کمرے کا گھر ہے۔ اس میں رہنا ہوگا۔ قاسم کو بھی اجازت مل گئی اور بچے فوکسی کے ڈبے پر روانہ ہو گئے۔

جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے غالباً سب نے برابر جوڑ کر رقم مہیا کی۔ زیادہ وقت گزاری ریزی نے چلائی۔ راستے میں اونچے اونچے گانے گائے گئے۔ جگہ جگہ رک کر کھانا اور چائے نوش جان کی گئی۔ خیراگلی پہنچ کر چابی لے کر اندر سامان اتارا۔

خاں صاحب نے کبھی منہ سے اظہار نہیں کیا لیکن مجھے علم ہے کہ انہوں نے خیراگلی کا گھر میری خاطر خریدا تھا۔ انہیں علم تھا کہ میرا پہاڑوں سے کتنا پرانا ناطہ ہے۔ جب ہم 121۔سی میں آئے تو خاں صاحب کو پتہ چلا کہ فوجیوں کی بیرکیں بک رہی ہیں۔ انہوں نے پتہ نہیں کب اور کیسے کتنے پاپڑ بیل کر پیسے اکٹھے کر کے یہ بیرک خریدی۔ یہ ساتھ ساتھ جڑی ہوئی بیرکیں تھیں جو اب فوج کے استعمال میں نہ تھیں۔ مین بازار سے اوپر کی طرف چڑھ کر آگے تھوڑا سا کھلا احاطہ تھا۔ تین سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ایک سادہ سا دروازہ کھلتا تھا۔ پھر تین کمرے تھے سادہ سا کمرہ۔ سامنے والے کمرے کو خاں صاحب نے مہمانوں کے لیے مختص کر دیا۔ اس کے بعد والے کمرے کو ..... بنا دیا اور اس کے ساتھ والے کمرے کو ہمارا بیڈروم قرار دیا۔

یہاں پر چار پائیاں' تیل کا چولہا' دودھ' مکھن رکھنے کے لیے ڈولی خاں صاحب نے لوڈر میں لاد کر ساتھ ساتھ سامنے بٹھایا اور ہم راولپنڈی سے ہو کر خیراگلی پہنچے۔ ایک بار پھر انہوں نے ٹھیکیدار محمد حسین سے چابی لے کر میرے سپرد کر دیں اور مجھے گھر کے اندر داخل ہونے کی دعوت دی۔ بچے اپنے ''جادوئی سفر'' پر اسی خیراگلی کے گھر میں ٹھہرے۔ یہاں وہ خود ہی پکاتے رہے۔ روٹیاں حسب توفیق انیق احمد کی ذمے داری ٹھہری..... نہ پکا سکتے تو .....

جادوئی سفر کے دوران انہوں نے ایبٹ آباد جھیل سیف الملوک اور اردگرد کی پہاڑیوں کی سیر کی۔ ان بچوں کا اندازہ آپ اس معاہدے سے کرسکتے ہیں جس پر سفر سے پہلے تمام ممبران کے دستخط کرائے گئے۔

"کنٹریکٹ جادوئی سفر"

شاید آپ اسے تضیع اوقات سمجھیں لیکن میں آپ کو صرف ایک نظریہ سمجھانے کی خاطر بار بار ایک ہی طرف ہوں۔ انسان اپنے Genes کا مجموعہ ہے۔ جو کچھ باپ دادا وراثت میں دے جاتے ہیں اس کا ذکر مذہب بار آتا ہے کہ ہم تمہارے باپ دادا کے گناہوں کو وراثت میں تم تک پہنچاتے ہیں۔ نیک اعمال پر آمادہ کرنے وراثت رد کرنے کا یہ بھی ایک طرح کا روحانی طریقہ ہے..... Genetic انجینئرنگ اسی سلسلے میں کئی قسم کے معجزے ہے۔ دوسری طرف ماحول کی تربیت انسان کی شخصیت ڈھالنے میں کچھ کم کارگر ثابت نہیں ہوتی.....

ضیاء الحق

اشفاق احمد کے دوست ضیاء الحق ہر وقت کے ساتھ رہنے والے نہ جانے اس سفر پر اس کے ساتھ کیوں نہ گئے۔ پچھلی گلی 65۔سی میں رہتے تھے۔ یہ کوٹھی ان کے والد اور ان کے بھائیوں کی سانجھی ملکیت تھی۔ رات کے وقت دوست سائیکلوں پر نکلتے اور پیسے چندا کرکے نان چھولے کھانے جاتے تو ضیاء ساتھ ہوتا۔

روحی باجی کی سبز فوکسی عموماً ہمارے گھر میں ہوتی۔ روحی تو مزے سے اندر سو رہتی لیکن یہ بچے اس کی گاڑی نکال ونگ سیکھتے۔ ضیاء اور اشفاق اس عمل کو چوری سمجھتے تھے اور اس کرتوت میں شمولیت نہ کرتے لیکن انیس، توصیف اور وسیم نے اسی گاڑی پر ہاتھ سیدھا کیا۔

ہوتے ہوتے جب اشفاق پروفیسر بن گئے اور اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت میں بہت سردھڑ کی بازی لگا رہا تھا نے ایک اور روپ دھارا۔ ضیاء کے گھر میں ٹیولپ روز پھولوں کی کیاریاں لگی تھیں۔ اس کے ہاتھوں میں ان پھولوں کا گلدستہ ہوتا اور وہ یہ گلدستہ مجھے پیش کرتا۔ پتہ نہیں اُسے کس کشف سے علم ہوا کہ میں اس پھول کو بے حد کچھ وقت اسی طرح گزرا۔ پھر مجھے ضیاء ہی سے علم ہوا کہ وہ ایکٹر بننے کی شدید خواہش رکھتا ہے۔ اسی سلسلے میں ٹیلی ویژن بھی جا چکا تھا لیکن ڈائریکٹر اس کی پہنچ سے باہر رہے۔

ان دنوں زین العابدین "سدھراں" کی تشکیل دینے میں مشغول تھے۔ میں نے زین سے التجا کی کہ وہ ضیاء کو میں ایک اہم رول عطا کریں۔ زین ازل کا مروتی فوراً رضامند ہوگیا اور اس طرح ضیاء کی دیرینہ خواہش

لیکن کچھ عرصہ بعد ضیاء نے ایک نیا پروگرام بنالیا۔

ایکٹری کچھ اس کے مطلب کا پروفیشن نہ بن سکی۔ ضیاء نے کینیڈا کے لیے ہجرت کی اور وہیں ایک مسلمان خاتون سے شادی کرلی۔ چھ سات بعد ضیاء اپنی بیوی اور بچہ کامران کو لے کر پاکستان لوٹا۔ ڈورتھی مجھ سے ایسے جیسے واقعی میں کامران کی دادی تھی۔

ابھی خاں صاحب کی تیسری برسی کے بعد دسمبر کے مہینے میں ضیاء الحق اپنی بیٹی ''سوزاں'' کے ساتھ ہمارے
اترا۔ اتنی پرانی واقفیت کے باوجود ضیاء الحق کو اچھی طرح جاننے کا موقع پہلی بار ملا۔

کینیڈا میں ضیاء کے پاس گیارہ بارہ بیکریاں تھیں جنہیں بیچ کر کئی دکانیں ویڈیو شاپ کی وائنڈ اپ کر کے
بیس سال بعد وطن اس امید پر لوٹا تھا کہ بالآخر یہیں اپنے بیوی بچوں کو سیٹل کر لے۔ اتنی دیر بعد جب کوئی شخص
لوٹتا ہے تو اس کے پاس معاشرے کو ناپنے کے دو معیار ہوتے ہیں۔ وہ یک طرفہ ہو کر سوچ نہیں سکتا اور عموماً تذبذب
رہتا ہے۔ غالباً ضیاء بھی یہی سوچتا رخصت ہوا کہ کہاں رہنے میں اس کا گھرانہ بہتر زندگی بسر کر سکتا ہے۔

پتہ نہیں وہ کس فیصلے پر پہنچے لیکن میں ایک سوچ میں مستحکم ہوگئی ہوں۔ مغرب نے ضیاء میں بڑی خوبی
ہے۔ پہلے بھی وہ دینے والوں میں سے تھا' فقط اس کے پاس دینے کے لیے پھول تھے۔ اب جب اس کے پاس
روپے پیسے کی ریل پیل تھی' وہ دائیں بائیں یہ نعمت بانٹنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔

ہم بھی خوب لوگ ہیں۔ موقع تاڑ و اور خود غرض۔ غالباً اسی لیے ہماری غریبی سے نجات ہو نہیں پاتی۔

سنا ہے کہ کسی بادشاہ نے خانہ بدوشوں کے پاس پڑاؤ کیا۔ ان غریب لوگوں کی بدحالی دیکھ کر شاہ نے
سے کام لیا۔ کھلے دل سے ان پر اپنی دولت نچھاور کرتا رہا حتیٰ کہ جس صبح بادشاہ نے کوچ کا اعلان کیا' راتوں رات
غریب بستی نے بادشاہ کے خیموں پر شب خون مارا۔ سارے اونٹ کھول لیے۔ خدمت گاروں کو ختم کر دیا۔ خیمے
کر چمپت ہو گئے۔ جب صبح بادشاہ کی آنکھ کھلی تو ہر طرف اجاڑ نظر آیا۔ حتیٰ کہ خانہ بدوش اس کے بال تک کاٹ
لے گئے۔ بادشاہ خاک چھانتا' پاؤں پیدل اپنی منزل کو روانہ ہوا۔

ضیاء کے ساتھ بھی یہاں ہم سب نے یہی سلوک کیا۔ دائیں بائیں ہر طرف سے لوٹ کھسوٹ مچی رہی۔
کیا کیجیے کہ ہم اپنی غریبی کا مداوا اسی طرح کرنے کے عادی ہیں۔

ضیاء کے تین بچے ہیں کامران' سوزاں اور سمیرا..... سوزاں کا نام فرانسیسی اور اسلامی ہے۔ وہ اسلامی
کرتی ہے اور اپنا دوسرا نام آسیہ کم ہی استعمال کرتی ہے۔ خاموش' خوبصورت اور پڑھا کو ''سوزاں'' اس وقت
مارکیٹنگ میں بی بی اے کر چکی ہے۔ یہاں اس نے انیس بیٹے کے پاس رہ کر ایک Orientation کورس بھی
کی تعلیم کا حصہ ہے۔

میں سوزاں کے متعلق اس لیے تفصیل سے لکھ رہی ہوں کہ اس نے یہاں رہ کر مجھے ایک لمحے کے
اجنبیت کا احساس نہیں دلایا۔ وہ اس محبت سے مجھے ''دادی'' پکارتی رہی کہ واقعی سچ لگتا۔ ہر جگہ مجھے سہارا دیتے
ہاتھ پکڑ کر چلتی۔ کھانا ڈال کر دیتی' رضائی اوڑھا دیتی۔ انیس اور اشیر سے کچھ ایسا ''چاچو چاچو'' کہہ کر پیار کرتی کہ
سگی بھتیجی ہو۔

میں چونکہ خوشامد پسند ہوں اس لیے مجھ پر اس کی ان اداؤں کا گہرا اثر پڑا ہے۔ سوچتی ہوں کہ سوزاں نے
کیا' اس کی مغربی ماں سے ملی کہ اس میں ضیاء کے لہو کی تاثیر ہے..... شاید کچھ کچھ دونوں طرف سے یا شاید سارے
اس کی اپنی کوشش ہو۔

صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

تخلیقی کام کی میرے تینوں بیٹوں میں اُپج تھی۔ وہ اپنے Genes کے ہاتھوں مجبور تھے۔
شیر احمد کی کچھ تحریریں ملاحظہ ہوں:

نظمیں

تحریر پیش از تخلیقی کام

اے اللہ ہم پر تو ہمیشہ
اپنا فضل قائم رکھیں تا کہ ہم
اس دنیا میں کامیاب ہوں
ہماری دُعا عاجزی پر ہو
نہ کہ خوف پر ہو
تو سب سے بڑا اور نہایت ہی مہربان ہے
اللہ تیرا سایہ مجھ پر
اور میرے گھر والوں پر ہمیشہ
قائم و دائم رکھ۔
آمین

.....

(1)

آج میری وجہ سے بالکل نہیں
بس جو بھی ہے وہ اوپر کی ذات ہے
باقی سب ایک دم سب جھوٹ
کیا لکھوں بس دعا ہی دعا ہے
کہ سب کچھ اس کی اور میری
خوشی سے ہو جائے
کوئی ایک خیال ہی انسان کی نجات کا سبب
بن سکتا ہے

اللہ کا ذکر ہی وہ نجات ہے جو ایک خیال ہے
باقی سب مسئلے ہیں
کہ کیا ہے اور کیا نہیں۔ یا اللہ
بہت دنیا کا رنگ دیکھ لیا
اب کچھ اپنا بھی رنگ
تو دکھا

.....

(2)

یہ خیال کیوں، کب اور کیسے
ایک غیر اختیاری سوچ دماغ میں آئی جو
آپ کے محبوب کے خلاف تھی
آپ نے دن رات اسی سوچ میں گزار دیئے
کہ یہ کیوں آئی جب کہ
یہ تو ایک بہت نورمل سا فتنہ ہے
تہہ ہے.....تہہ در تہہ

.....

(3)

ڈرنقمہ جیسی چیز ہوتی ہے
اِس کو ایک دفعہ میں
جسم سے نکلنا چاہیے.....ورنہ
اِس کے ہاتھوں ہم پھر تنگ رہیں گے
مضبوطی اور پھر مضبوطی پھر
قوی پھر قوی پھر ایک دم قوت
اور پھر قوت.....صرف ایک اس
کو کہنا یار آج سے ختم تو ہمارا
دوست سہی لیکن ہم تمہارے نہیں
اگر ساتھ چلنا ہے تو
اس کی مان، جس نے مجھے

مجھے پیدا کیا
پھر بس ایک دم چھٹی
نہ کوئی بندہ نہ کوئی فقیر بس
سب ولی ہی ولی
ایک دفعہ بس صرف
ایک دفعہ.....ورنہ ہمیشہ
کی ناکامی ہی ناکامی

.....

پتہ نہیں کب اور کیسے انیق بھی لکھنے کی طرف مائل ہو گئے۔ یہ نظمیں کچھ انگریزی میں تھیں، کچھ اردو میں۔ ان دنوں وہ ٹیلی ویژن ڈرامے کی طرف بھی جھک گئے لیکن یہ سارے کام جز وقتی تھے۔ ان پر وہ توجہ نہ دی گئی جو وقت آرٹ کی طرف متوجہ کر دیتا۔ انہیں ٹیلی ویژن کے ڈراموں پر ایوارڈ بھی ملا لیکن ایوارڈ ہمارے گھر میں جس بے توقیری سے دوچار ہوتے تھے وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔

انیق کے ڈراموں کی کتاب سنگ میل پبلشرز نے ''آب و دانہ'' کے نام سے چھاپ دی ہے لیکن نظموں کی طرف کسی سے رجوع نہیں کیا گیا۔ یہ نظمیں آپ کی تفریح طبع کے لیے درج ذیل ہیں۔ اس کے علاوہ وہ تحریر جو انیس سے آپ جانوروں سے محبت کے حصے میں ملاحظہ کریں گے۔

ان تحریروں، نظموں کا ذکر اس لیے کیا کہ اشفاق صاحب کے بیٹے ان کے بہن بھائی سب کی تحریروں میں یہ محبت ہے اور یہ مماثلت ان کی وراثت سے Genes کی شکل میں پہنچی۔ صرف ان سب نے خاں صاحب کی طرح اس محبت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

جو بھائی نے ارشیا کے متعلق جو نظم لکھی تھی، وہ بھی Genes کے ضمن میں ایک پروف ہے۔
یہ نظم اسحاق بھائی نے انیق کی بیٹی ارشیا کی پیدائش پر لکھی۔

ارشو بابا

بابا کا ارشو بابا کا ارشو بابا
دادی کی یہ جان ہے کہاں سے آئی ہے
یہ پھولوں جیسا چہرہ پاکیزہ بھولا
یہ پریوں کی شہزادی ہے کہاں سے آئی ہے
ماموں کا یہ کھلونا ایک خواب سا سہانا
ماما کے دل کی جان ہے کہاں سے آئی ہے

بشی کو وہ بلائے شائیوں کو وہ ستائے
دونوں کی وہ جان ہے کہاں سے آئی ہے
نانا نانی سے پوچھو پڑ نانی سے بھی پوچھو
اس چڑیا پر قربان کہاں سے آئی ہے
(غزل کی بہنیں بشریٰ اور شہناز)

انیق احمد کی چند انگریزی نظمیں

Aneeq ahmed

1. Me and You

I walk alone in rain,
Keeping your image warm in my heart.
Making sure of what remains and what's lost.
There you stand in the middle of the painted blue fog,
Clear and unpredictable.
Hissing winds charge and bruise
My hands are clutched to the frame .....
Frame of my mind,
Gripped .....
I see a star and a flower floating near you
Stemless, breathless.
Newness is now an illusion,
A suffering of my own
A pain I wanted to disown.

2. A weak heart have I.
A weaker throb it has.
A few things to share,

And even fewer to bare.

I have a deep seated soul,

And even deeper is its hole.

Let me predict fortune,

That God sends me.

I hope to be humble

And for no one else to see.

3. A drum to tune

The sum immune

The long felt pain

Of a song in rain,

On a picturesque plain,

You may find a lane

In this world profane

Driving lane in lane

Noki

شاید کل کی اچھی گزرے

شاید موسم اچھا ہو

شاید دھند کے پردے میں سے

چڑھتا سورج پورا ہو

شاید بے کل کل نہ ہووے

شاید چھوٹا رستہ ہو

شاید باغ دریچے میں اک

جانا جانا چہرہ ہو

شاید رُت رنگین ہو جائے

شاید بادل چھایا ہو
شاید میرے شور کے اندر
اک سناٹا غالب ہو
شاید سب کو وہمہ گزرے
شاید پاگل راضی ہو
شاید خود سے باتیں کرے
اپنا خواب ہی سچا ہو

Noki

جن دنوں گھر پر نوکی اور خاں صاحب کی وجہ سے شاعری کی فضا قائم تھی۔ یہ تخلیقی اعتبار سے ایک نیا
خاں صاحب میڈیا میں قدم جما چکے تھے۔ رسالے نکالنے کی حسرت نہ رہی تھی۔ کہانی کار تو وہ ازل سے تھے لیکن
فیلڈ میں نہ تو وہ اپنا لوہا منوانا چاہتے تھے نہ انہیں اس کی ضرورت ہی محسوس ہوتی تھی۔

ان کی کہانی ''گڈریا'' نے وہ دھوم مچا رکھی تھی جو دس بارہ افسانوی مجموعے چھاپ کر بھی کسی ادیب کو
آتی۔ شاعری کے میدان میں ابھی انہوں نے قدم نہ رکھا تھا۔ پھر غالباً 1974ء میں اُن پر پنجابی کی نظمیں موسلا
کی طرح برسیں۔ ''کھیڈ وٹیا'' میں ان نظموں کو یکجا کر کے سنگ میل پبلی کیشنز نے فوراً چھاپ دیا۔

انیق بیٹے کی نظمیں گو چھپ تو نہ سکیں لیکن اکٹھی ہوتی رہیں۔ اس میں بھی ہماری ہی غفلت رہی کہ ہم
کے اس کام کی طرف توجہ نہ دی۔ عموماً والدین بچوں کی کارکردگی کو کاتا اور لے دوڑی کے تحت فوراً ترقی کے زینے
دیتے ہیں لیکن ہمارے گھریلو ماحول میں اس طرح کی توجہ پنپ نہ سکی۔

یہ کام البتہ ضرور ہوا کہ میں ہمیشہ کی طرح خاں صاحب اور انیق سے متاثر ہو کر نظمیں لکھنے لگی۔ اردو
بیشتر نظمیں تو ضائع ہو گئیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ کچھ انگریزی کی نظمیں ابھی زمانے کی دست بُرد سے بچ گئی ہیں
آپ کی خدمت میں دوہرائے دیتی ہوں۔ چونکہ یہ نقل کا کام تھا۔ اس میں اُپج اور صلاحیت نہ تھی اس لیے جلد ہی
سوکھ گیا۔

ریفری سیٹی وجا کے
کوراں تے پانڈواں نوں وردی پوا کے
یدھ کرا دے
فاؤل دسا دے
جت ہار تے مہر لگاوے

نکی جنی گیند نوں کسے وی نہ پچھیا!
کیہڑے پاسے بوتا ماریا
تے کیہڑا پاسا جتیا؟

☆☆☆

اجے گھر اگے کتا روے
تویں مکان اگے
نوٹی کرلاوے
سینہ وچ بجھی لان نوں
پانی دیندی جاوے
منجی اُوتے پے پے کے رون آلیا
تاپ جے نہ چڑھدا؟
تے علاج کنویں ہندا

☆☆☆

گھر دا بڑا ای چا سی
کندھے کوٹھے باریاں
رنگ برنگے شیشے
باہر جان دے راہ بڑے سن
پر گھر دا ملیا نہ راہ
گھر دا بڑا چا سی

☆☆☆

کیویں اسی دکھ ہوے ایدا کی نتارنا
گھر یا اسی بھل گئے تیتھوں جند وارنا
ڈبی ہوئی بیڑی نوں ربا کنج تارنا
منجواں دی کھیڈ وچ جتنا وی ہارنا
ٹٹی ہوئی منجی اوتے

☆☆☆

کب چھٹی ہوگی اس جگ سے
کب اپنے گھر کو جائیں گے

کب اپنی جان بچائیں گے
اور سب سے جان بچا کر پھر
ہم روئیں گے
ہم گائیں گے
مکھی، مچھر اور چیونٹی کا

جب بھس بدلنا جائے گا
مچھلی مینڈک اور لدھر سے
جب سارے ناتے ٹوٹیں گے
جب لمبی تان کے سوئیں گے
اور لمبی تان کے سو کر پھر
ہم روئیں گے
ہم گائیں گے
کب چھٹی ہوگی اس در سے
کب اپنے گھر کو جائیں گے

☆☆☆

پتی دھرم نوں پالنا
بن چھیکا دے ریکٹ وچوں
جیو تندنوں پارنا
چلگا جت جتا کے
پہلے بھوگ اچ ہارنا
پتی دھرم نوں پالنا

☆☆☆

انت دا کھر دا بولنا
تے روح دی دینی مار
کیہندے نے اوہ میرا سی
پر کدی نہ لگیا یار

☆☆☆

ٹٹی ہوئی منجی اوتے بیٹھی آں سرہانے

چھیڑا اج میرا آوندا نئیں ٹھکانے

دوں جدوں آوے میری جندڑی تے چھاں جی

ں ہتھاں پیراں نوں تے جاوے جند جان جی

ی واویلا آیا ایتھے نہ کوئی تھاں جی

وے پاسے جاواں تے میں پچھاں تیرا ناں جی

ی ہوئی منجی اوتے

If all my life was not so

Pledged,

Pawned

Or sold not,

If I could wriggle out a complete moment of paper

Vellum,

Or clean dust

If it was possible to adorn that movement with a kiss,

Name,

Or a tear

It would be easy to leave this quagmire life like a king,

Lover

Or a saint

Bano

Last night,

A shivering moon turned from my window

To your door.

Shamefacedly knocking,

Begging for a little warmth.

Did you in all austerity

Close the door on his face too?

Poor runaway from universe!

Bano

I love small flowers,
Songs that last
Only on house
And seasonal lore.
All recess
In festive dress
Into oblivion
Never do they vie or dream
of eternity
Yet leave a place for
More flowers
More love
Shining stepping stones to walk on
Through a long journey.

Bano

A Lament

There is a tawny patch
That smears the lush green turf
It will not heal
It will not heal.

Sane tunes like an eagle
Just ready to fly
In the morning light.
Shapes into a receding triangle
In dusty eves
Closing its desert ache.

Sometimes in hoary twilight
It melts into a wooden cross
Forsaken
It will not heal
Though watered by my tears
It will not heal
This tawny patch of green
That smears the lush green heart
It will not heal
It will not heal
It will not heal

I caress your memory
Like a little girl cuddles a dead kitten
Gone for ever
Yet not buried deep
It is feckless to love:

Broken tumblers
Men in air flights
And flowers of Leningrad
Loitering on a soldier's grave.

Bano

Rolling from east
Rolling from west
Fog rolls fast into the rest
Doors and windows clench their teeth

Hoping and fearing night hide
That other side of the street
May not be lost for ever
Who is she?
Ah! Who is she?
Who came like the fog?
But stayed like the rock
Barring all view
To windows to doors
Open but blind
To the other side of the street.

Bano

If I were allowed
To comfort love or cherish you
By people around
Who abound
The world at large
Like elves or archers
If I were allowed
To comfort love or cherish you
By myself
Who cheats
And lures to desires anew
Life's gasoline
If I were allowed
To comfort love or cherish you
By providence

Who likes to paint every door
With wash and wear sane bows to synthetic tears
It I were allowed
To comfort love or cherish you
I would decide
Life had been on my side
As I'd bang along
Through dreary life waving to all
Bano

For you to me
To erk the dark
Not for each other
But for the late rising morn

Wither is day's celestial light
Wither is yester-morn's glory fled
Your tears flow over my cheek
Mine unknown
Follow yours into
Nothingness
We simmer in Ice droplets
Not for each other
But what has been once
Is no more
And never shall be
Bano

Let a moment come nude to me

Curved

Arched

Throbbing with light

A vision of you

A vision of you

Let the moment speak

Only of you

Stay, wink, lean then depart

Un-touched

To lie on the couch of time

Copulating with eternity

Bano

Days back I saw your spectacles

Tainted with dust of me

Last night I heard your

Bare feet

Followed by a smothered cough

Today I perceived

A patch of green

Un-tended

Not watered

Hopefully wailing

For the pigeon in the sky

Bano

خاں صاحب کا سیاسی مسلک

بڑے آدمی کا نصیب یا فیصلہ یا مجبوری ہمیشہ ایک رہی ہے۔ یہ روایت مسلمانوں میں چودہ سو سال پرانی ہے۔ ہم تو دوستوں اور خاندان دونوں کو حرزِ جاں سمجھتے لیکن اُن کے وصال کے بعد دوستوں اور گھر والوں میں محبت کا فرق بیدار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے شیعہ اور سُنّی کے قالبوں میں ڈھل گیا۔

برصغیر میں قائداعظم کی زندگی بھی اسی ڈویژن کا شکار ہوئی۔ گھر والے کہیں رہ گئے، فرد اکیلا اپنی تلاش کا شکار ہوا۔ قائداعظم نے پاکستان تعمیر کیا تو اُن کے گھر والوں میں سے کوئی اُن کے ساتھ نہ تھا۔ ویسے تو قائداعظم کی ساری زندگی تک دوراہے ہیں جنھوں نے اُنہیں اہم فیصلوں پر مجبور کیا۔ انہوں نے بڑی نیک نیتی سے کانگریس جوائن کی، اس کے لیے شہر شہر گھومے اور اُنہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ہندو اکثریت اپنے صدیوں پرانے مسلک میں موجود اچھوت اور برہمن جاتی کی برتری کے کمپلیکس (Complex) سے نکل نہیں پائی۔

اس کا علاج بھی اُنہوں نے نیک نیتی سے تلاش کیا اور کانگریس میں ایک نامور فارمولا پیش کیا جس کے تحت جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو وہاں سے نیشنل اسمبلی کے لیے مسلمان نمائندہ منتخب کیا جائے اور جہاں کی آبادی ہندو جاتی پر مشتمل ہو وہیں ہندو نمائندہ چن کر ممبر اسمبلی بنایا جائے۔ پہلے تو پنڈت نہرو مان گئے لیکن بعدازاں وہ اس وعدے سے بھی پھر گئے۔ جس سے ہندو لیڈرشپ کبھی مفاد سے علیحدہ ہو کر سوچ نہیں سکتی، اسی لیے وعدے کی پابندی نہیں کی جا سکتی۔

جب کشمیر میں شکست سے آشنا ہوئے تو بھاگ کر سکیورٹی کونسل میں جا کر دم لیا اور جنگ بندی کی شرائط قبول کر لیں۔ جونہی سانس برابر ہوئے سارے وعدے وعید بھول گئے اور پھر اکھنڈ بھارت کے نعرے لگانے لگے۔

خاں صاحب کی زندگی میں پاکستان کے لیے جدوجہد میں شمولیت کے بعد انہیں اپنے ذاتی مسلک تج دینے پڑے۔ والدین، بھائی بہن، دوست، چاہنے والیاں سب سے محبت تو کرتے رہے۔ اُن کے لیے جان تک دینے سے انہیں دریغ نہیں لیکن ان محبتوں سے پہلے عملی طور پر انہیں پاکستان کے عشق نے تمام تر چوس لیا۔ اُن کی Priorities تبدیل ہوئیں۔ انہوں نے بھی چودہ سو سال پرانی روایت کو نبھایا اور پاکستان دوستی اور ذاتی خاندان میں پہلے مسلک کو اپنا لیا۔

جب قائداعظم نے کام کام کام کا نعرہ ہمیں دیا تو خاں صاحب نے ''کام کام کام'' کا سلوگن اپنے
حصہ بنالیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ تعمیر کیے بغیر مکین کو گھر کا سکھ نہیں مل سکتا اور کام کے بغیر گھر تعمیر نہیں ہوتے۔ اللہ کے نام پہ
کیا ہوا ملک اب اللہ کی حاکمیت مانے بغیر چلایا نہیں جا سکتا۔ ملک کی محبت کو پکڑ کر وطن دوستی اور جانثاری کے ثبوت
انہوں نے کئی پروگرام ریڈیو سے کیے، کیونکہ اُنہیں علم تھا کہ انسان پرنٹ میڈیا کے سحر سے نکل کر آہستہ آہستہ الیکٹرانک
میڈیا کی حوالگی میں جا رہا ہے۔ ''آج اور آج کا دن'' ''گھر گھر خوشیاں لوٹیاں'' ''ضابطے خاں کی کارروائی''
اور ''ہم آ گئے'' لکھ کر انہوں نے عام گھروں کی سوچ میں راہداری بنائی۔

''مانو منگولیا'' تو سات قسطوں کے بعد بند ہو گیا لیکن اس کی بدولت کئی خوبصورت آوازیں ریڈیو کو ملیں
اکرم زبیر، میمونہ سلطانہ، منور کاظمی، غیور اختر، صدف ملک کے علاوہ ریاض محمود جو اس وقت بھی مشہور آرٹس
پروگراموں کی روحِ رواں تھے۔

اشفاق صاحب ہی نہیں وہ تمام سرکردہ پود جنہوں نے پاکستان بنایا، پوری اہلیت، استقامت اور مستقل
سے نئے وطن کے مسائل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بغیر ڈنڈی مارے اپنے چمتکار دکھانے میں مشغول تھی۔
کے گھر بساؤ مسائل ان گنت تھے۔ بچھڑے ہوؤں کی جدائی، راہ میں مارے جانے والوں کی بے بسی کی داستانیں
پر کیمپوں میں ٹھنڈی آہوں، گرم آنسوؤں کی گویا ایک بوچھاڑ تھی، جو کسی وقت نہ تھمتی تھی۔

خوشی کی اس کساد بازاری میں کچھ جی دار ایسے تھے، جو بڑے عزم کے ساتھ پرانی یادوں کو ہچکیوں کے
بار دہراتے اور سینہ کوبی کرنے کے بجائے راضی برضا اور صبر کے ساتھ نصیب کے مرحلوں سے گزر رہے تھے۔
نزدیک دنیا میں بلا قیمت کوئی جنت حاصل کرنا ناممکن تھی۔ اس ارضِ پاک کی قیمت وہ چکا آئے تھے۔ اب
آبیاری، پھول کھلائی، تراوش و زیبائش کے وہ خود ضامن تھے۔

انہوں نے گویا سمجھ لیا تھا کہ پیچھے پلٹ کر دیکھنے والا کفرانِ نعمت کا مرتکب ہو کر پتھر کا بن جاتا ہے۔ ان
لوگوں نے بیلچہ کدال اُٹھایا اور مسائل کی دھرتی کو اتھل پتھل کر کے رواں کر دیا۔ ان کے دماغوں میں اقبال کے
سانسوں میں قائداعظم کا عزم اور دل میں ایک اُمت بنانے کا معجزہ گھر کر گیا۔

جتنے فراخ تنے راستے، جس قدر لوگ اتنی ہی رنگا رنگی۔ زندگی کے کارزار میں کچھ خوش نصیب شہید
راضی، کچھ غازی بن کر لوٹنے پر شاداں و فرحاں، کچھ اپنے نفع و نقصان کے عادی مالِ غنیمت سمیٹنے والے، کچھ سر
پر بَین صورت منڈلانے والے، کچھ راضی برضا، کچھ طوعاً و کرہاً دوسروں کے ساتھ چلنے پر آمادہ..... غرضیکہ پاکستان
ایک سیلاب صورت لوگوں کا ہجوم اپنی اپنی آرزوؤں کی چابک تلے دوڑ رہا تھا۔ اسی دوڑ میں گھروں کے قفل ٹوٹنے
منٹ سسٹم کی ژولیدہ سری اُبھری، نفانفسی کا آئین بھی لاگو ہو گیا۔

شہر بہ شہر گھوم پھر کر اپنے لیے ٹھکانے کی تلاش نے نئے دوست نئے دشمن سامنے لا کھڑے کیے۔
دھندلکے میں روشنی کی تلاش تھی لیکن چند ہی جی دار تھے جو جنگل کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں نور کی تلاش میں نہیں
روشنی تھے۔ ایسے میں جو بے غرض انصار کی روایات پر چلے، گھر کے بوہے باریاں کھول کر مجسم مہمان نواز بن گئے۔

ے آدرشی راستے بھی مل گئے اور چلتے رہنے کی توفیق بھی میسر آ گئی۔

ھ نے اپنے وجود کو کیمپوں کی نذر کر دیا۔ کچھ مخیر حضرات دیگیں پکا کر ریڑھوں پر لاد کر کیمپوں میں لاتے۔
تے پہنچ جاتے۔ وہ روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ نہیں لگا رہے تھے بلکہ ان چیزوں پر Have not کے لیے کام کر
نچ جب سے بساط بھر۔

پاکستان کے مسائل اور حب الوطنی کے مظاہروں کا عجب دور تھا۔

چھ سیانے سوچ بچار کا ایندھن جلا کر برصغیر کے بنیادی مسئلے کو سمجھنے میں گم تھے۔ ان میں سے ایک اشفاق احمد
تھے جن کا رویہ، سوچ اور عمل تینوں مثبت تھے۔ وہ دوسروں کو سمجھا جان گئے تھے۔

رصغیر کی وہ مشکلات ایسی ہیں جن کی آمیزش سے یہاں کی سوائی شناخت متاثر ہوتی رہی ہے۔ گروہ کی اہمیت
شخت ان ہی دواڑ چنوں میں کہیں گڈمڈ ہو کر رہ گئی ہے۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ برصغیر کے حملہ آوروں میں پہلے
وگ تھے جو شمال سے آئے اور جنہوں نے اپنی برتری قائم کرنے اور رکھنے کی خاطر یہاں کے مقامی کول، دراوڑ،
پہ ہوتیوں کے کم رو، غیر متمدن، اچھوت لوگوں کو اپنے میں مدغم ہونے کی اجازت نہ دی۔ رفتہ رفتہ ان ہی آریاؤں
لسفہ حیات کی تشکیل دی جس کے دو ارکان سارے معاشرے اور فرد کے اندر لہو اور ارادہ بن کر موجزن ہو گئے۔

یک تو آواگون کا فلسفہ تھا اور دوسرے معاشرے کو برہمن، کھشتری، ویش اور شودر میں تقسیم کرنے کی بات
س بنیادی وجہ ایک ہی تھی۔ وہ مقامی لوگوں میں گھل مل کر رہنا نہیں چاہتے تھے۔ ہندو مذہب میں آواگون کا
تی بات کو تقویت دینے کے لیے تھا۔ فرد کی توجہ سوسائٹی کی تفریق سے ہٹا کر اس بات پر مرکوز کر دی گئی تھی کہ بابا
جیسے کرم ہوں گے ویسا ہی دوسرا جنم ہوگا۔ تم جون بدلتے پھرو گے اور کبھی کہیں کسی خوش نصیب کو اعلیٰ عمل کے
حاصل ہو جائے گا ورنہ باقی خلق اسی چکر میں رہے گی۔

دوسروں کو اپنے سے بلاوجہ کمتر سمجھنے سے جو احساس جرم پیدا ہوتا اسے نیک عمل کی ترغیب سے فوراً بھسم کر دیا
ج بھی حکومتیں اپنے ذاتی مفاد حاصل کرنے کے لیے کمزور عوام کو اسی طرح Side track کیا کرتی ہیں۔

آریاؤں نے اس زہر کو سوسائٹی میں بظاہر امرت رس بنا کر اس کی سبیل چلا دی۔ اسے مسلمان حملہ آوروں نے
ت حاکی۔ شمالی علاقوں سے جو حملہ آور وقتاً فوقتاً وارد ہوئے وہ بھی احساس برتری کی دولت سے مالا مال تھے۔ محمد
سلامی رواداری، توحید پرستی، انصاف پسندی کا پرچم لے کر ساحلوں پر اترا۔ اس کی عمر ایسی تھی کہ وہ آدرش پرستی
تھا لیکن اونچ نیچ والے معاشرے میں آسانی سے انصاف قائم نہیں کیا جا سکتا۔

اگر فرد یا گروہ اس فریب میں مبتلا ہو کہ وہ کسی سے ارفع یا اعلیٰ ہے تو وہاں انصاف کا آدرش پارہ پارہ ہو جاتا
تھ محمد بن قاسم بھی اس بنیادی اونچ نیچ کا شکار نہ ہوتا لیکن اسے مہلت نہ ملی۔

ایسے اکثریتی معاشرے میں جہاں عمل کو تولنے والا کوئی معیار، توازن یا بنیادی اصول نہ ہو، عمل کی آڑ میں کئی۔
Self Mo لوگ آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہیں۔ برصغیر کی مسلم اقلیت بھی ایک عرصے سے انفعالیت کا شکار
تی۔ اسلام میں جو بنیادی اہمیت نیت کی ہے، وہ اسی رکاوٹ کو عبور کرنے کے لیے پیش کی گئی۔ ایک طرف نیت،